Fikr-o-Nasar (Islamabad) 21:9 (1984)

قرآن کا تصور عدل

شرف الدین اصلاحی

یہ مقالہ انڈو عرب کلچرل ایسوسی ایشن کلکتہ کی فرمائش پر اس بین الاقوامی سیمینار کے لئے لکھا گیا تھا جو جنوری ۱۹۸۳ء میں کلکتہ میں ہوا۔ سیمینار کا مرکزی موضوع تھا "قرآن کی اخلاقی اور سماجی تعلیمات جو بنی نوع انسان کے لیے یکساں قابل قبول ہیں۔" شرکت سے معذوری کے باعث مقالہ سیمینار میں پیش نہ کیا جا سکا۔ اور اس سے پہلے کہیں طبع نہیں ہوا۔ (ادارہ)

جیسا کہ سب جانتے ہیں عدل کا تعلق انسان کے سماجی معاملات و مسائل سے ہے۔ اور دنیا کا کوئی بھی معاشرہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا' خواہ اس باب میں اس کا اپنا تصور کچھ بھی ہو۔ اور وہ عملاً اس کے قیام کے لئے سرگرم عمل ہو یا نہ ہو۔ قبل اس کے کہ میں اس عنوان سے براہ راست تعرض کر کے کچھ کہوں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند باتیں بطور مقدمہ اور تمہید کے پیش کر دی جائیں۔ چونکہ گفتگو قرآن اور اسلام کے حوالہ سے ہے اس لئے ان کے متعلق بعض بنیادی اور اصولی باتوں کا ذکر ضروری ہے ورنہ ہو سکتا ہے غلط فہمی یا الجھن پیدا ہو۔

قرآن ایک آسمانی کتاب یعنی اللہ کا کلام ہے اور اسلام اس اللہ کا دین ہے جو قرآن کی صورت میں جبرئیل امیں کے ذریعے سلسلہ انبیاء کے خاتم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تاکہ وہ نوع بشر کی ہدایت کے لئے اس کی اشاعت کریں۔ اللہ' محمد صلی اللہ علیہ وسلم' قرآن اور اسلام ہماری گفتگو کے بنیادی نکات ہیں۔ اور یہ چاروں باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ان کی اپنی اپنی حیثیت اور مقام ہے۔ اپنی اپنی صفات اور خصوصیات ہیں جن کا خود اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں ذکر کر کے تعین کر دیا ہے۔ یہ ایسے

مباحث ھیں جو بہت تفصیل سے قرآن اور قرآن کے ترجمان رسول اللہ کے اقوال و اعمال میں آگئے ھیں اور جن کے تفصیلی ذکر کا یہ محل نہیں ھے ۔ تاھم بعض باتوں کا ذکر اختصار کے ساتھ ضروری ھے ۔

قرآن کی رو سے اللہ تعالی ھم انسانوں کا ھی نہیں پوری کائنات کا خالق و مالک اور حاکم ھے ، الا لہ الخلق والامر (اعراف : ٥٤) ۔ تخلیق اس کی ھے اور حکم بھی اسی کا ھے ۔ اور یہ تخلیق بےمقصد نہیں ۔ وہ واحد ھے اور اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ۔ محمد ﷺ اس سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی ھیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ھو کر نوح ابراھیم ، اسمعیل ، اسحاق ، یعقوب ، موسی ، عیسی علیھم السلام کے بعد حضرت محمد ﷺ پر ختم ھو گیا ۔ وہ اللہ کے بندے بھی ھیں اور نبی بھی ، بالکل اسی طرح جیسے ان سے پہلے دوسرے انبیاء گذرے ھیں ، جن کی تعداد خدا ھی کو معلوم ھے ۔ کچھ کے نام قرآن نے بتادئیے ھیں جبکہ بہتوں کے نام ھمیں معلوم نہیں ۔ اسلام خدا کا آخری دین ھے جو حضرت محمد ﷺ کے ذریعے بلا امتیاز رنگ و نسل و بلا اختلاف زمان و مکان پوری دنیا بلکہ تمام کائنات کی ھدایت و رھنمائی کے لئے آیا ۔ اور یہی دین حضرت آدم نوح،ابراھیم موسی اور عیسی علیھم السلام کا بھی تھا ۔ یہ بات بھی قرآن میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ھے ۔ ان الدین عنداللہ الاسلام (آل عمران ۔ ۱۹) ۔ بےشک دین اللہ کے یہاں اسلام ھی ھے ۔ ایک جگہ آنحضور ﷺ کی امت کو مخاطب کر کے فرمایا ۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۔ (مائدہ ۔ ۳) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے بطور دین کے اسلام کو پسند کیا ۔ یہ آیت آنحضرت کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ھوئی ۔ ایک جگہ قرآن نے یہ بھی صراحت کر دی کہ اسلام کے سوا جو کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا ۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (آل عمران ۔ ۸۵) رد و قبول کا اختیار علی الاطلاق جس ذات کو حاصل ھے وہ تو یہ کہتی ھے کہ جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا وہ قبول نہیں کیا جائے گا ۔ تو پھر قرآنی تعلیمات کے انسانوں کے لئے قابل قبول ھونے یا نہ ھونے کا سوال ھی کہاں پیدا ھوتا ھے ۔ ایک حاکم اور فرماں روائے مطلق کے احکام و فرامین اس لئے

نہیں ہوتے کہ رعیت اسے قبول کرے یا نہ کرے ۔

اسلام کے بارے میں یہ ایک عـام غلط فہمی ہے جس میں غیراقوام اور حاملین مـذاہب ہـی نہیں خود مسلمان بھی گرفتار ہیں کہ یہ دین پہـلے پہـل حضرت محمد ﷺ کـو دیا گیا ۔ اور وہ اسکی تاریخ ۱۵ سو سال پہلے آنحضور ﷺ کی بعثت سے شـروع کرتے ہیں ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے اور یہی قـرآن کی تصریح ہے کہ اس دین کی تاریخ حضرت آدم سے شروع ہوتی ہے جو اس زمین کے پہلے باشنـدے بھـی ہیں اور پہلے پیغمبر بھی ۔ اسی طرح قرآن بھی خـود کو جگـہ جگـہ سـابق انبیـاء اور کتب سماوی کا مُصدِّق کہتا ہے۔

گویا معمولی جزئیات کو چھوڑ کر تمـام انبیـاء اور صحف سمـاوی کی بنیادی تعلیمـات ایک تھیں اور ان کا اصطلاحی نام بھی اسـلام ہی تھا ۔ اسی لئے قـرآن اور اسلام کی تعلیم کے مطابق ان انبیاء میں تفریق جائز نہیں اور ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان سب پر ایمان لائے ، سب کو مانے اور سب کی عزت کرے ۔ خود مسلم کا لفظ جـو اسلام کا اسم فاعل ہے کسی نہ کسی شکل میں حضرت ابراھیم کے وقت سے موجـود ہے ۔ قرآن کی شہادت ہے کہ یہ نام حضرت ابراھیم کا دیا ہوا ہے ۔ ملة ابیکم ابراھیم ھو سما کم المسلمین من قبل (حج ۷۸) تمہارے باپ ابراھیم کی مـلت ۔ وہی ہیں جنھوں نے تم کو مسلم کا نام دیا ۔

" قرآن کا تصور عدل " جو قرآنی تعلیمات کا ایک ذرہ بےمقدار ہے ، راست اسکے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے ایک اور نکتہ جس کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات یا اسلام ایک کل ہے ایک اکائی ہے اور مابعد الطبعیات ہی نہیں طبعیات کا بھی یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جز کو کل سے علیحدہ کر کے متوقع یا مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کئے جا سکتے ۔ کسی طبی نسخے میں سے ایک یا چند اجزا کو خارج کر کے اسے استعمال کیا جائے گا تو وہ نسخہ کارگر نہیں ہو گا ۔ قرآن یا اسلام ، جس کا مقصد دنیا میں ایک صالح پاک امن وآشتی سے بہرہ ور معاشرے کا قیام ہے اس مقصد کے لئے وہ جو نسخہ تجویز کرتا ہے وہ مرکب ہے متعدد اجزاء سے ، اس میں عقائد بھی ہیں عبادات بھی ہیں ، اخلاقی اصول بھی ہیں ، سماجی اقدار بھی ہیں ، حقوق بھی ہیں فرائض بھی ہیں اوامر بھی ہیں نواھی بھی ہیں ۔ اور ان میں سے ہر چیز ایک اندازے کے مطابق متوازن مقدار میں رکھی گئی ہے جس میں اپنی طرف

سےکمی بیشی کر کےوہ فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتاجو اس کے ساتھ وابستہ ھے ۔ اسلامی عقائد کو عبادات سے یا عبادات اور عقائد کــو معاملات سے الگ کــر کے اسکے کسی جــز کو لے لیــا جائے گا تو اسکی مثال ایسی ھی ھو گی جیسے کسی مــرض کے ایک مــرکب نسخہ میں سے کوئی ایک جز لیکر استعمال کیا جائے ۔ اس صــورت میں نتیجہ ظاھر ھے ، دوا سے فائدہ نہیں ھو گا ۔ یہی وجہ ھے کہ قرآن جہاں زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لئے قاعدے ضابطے اصول و قوانین وضع کرتا ھے ، یہ تاکید بھی کرتا ھے کہ ان سب پر بیــک وقت کمــی بیشی کیے بغــیر عمــل کیا جائے ۔ یہی مطلب ھے ادخلوا فی السلم کافہ (البقرہ ۔ ۲۰۸) کا ، یعنی اسلام میں پورے کے پورے داخــل ھو جاؤ ۔ یہ نہیں کہ جــو احکام دیئے گئے ھیں یا جو تعلیمات سکھائی گئی ھیں ان میں سے کچھ کو تو لے لیا جائے اور کچھ کو چھوڑ دیا جائے ۔ گذشتہ اقوام میں سے بنــی اســرائیل نے احکام الٰہی اور اپنے نبی کی تعلیمات کے باب میں یہ طرز عمــل اختیار کیا تو انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں انجام بد کی وعید سنائی گئی ۔سورہ بقرہ کی ۸۵ ویں آیت کے یہ الفاظ مــلاحظہ ھوں جو بنی اسرائیل کو مخــاطب کر کے کہے گئے ھیں ،، افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذالک منکم الاخزی فی الحیاۃ الدنیا و یوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب ۔کیا تم کتاب کے بعض حصے کو مانو گے اور بعض کا انکار کرو گے تو جــو لوگ تم میں سے ایسا کریں گے تو ان کی سزا اس دنیا کی زندگی مــیں ذلت و رســوائی ھــو گی اور قیــامت کے دن وہ سخت ترین عــذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔ بنی اسرائیل نے اپنی کتاب اور اپنے رســول کی تعلیمات کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا تو ان کو سختی کے ســاتھ تنبیــہ کی گئی ۔ قرآن تو یہاں تک مطالبہ کرتا ھے کہ اللہ اور اس کی طــرف سے بھیجے گئے تمــام رســولوں پر ایمــان لاؤ اور کسی کا بھی انکار نہ کرو ۔ بعض کو مان کر اور بعض کا انکار کر کے کوئی شخص ماننے والا نہیں کہلا سکتا ۔ سورہ نساء کی آیت ۱۵۰ میں کس قطعیت اور وضاحت کے ســاتھ یہ بات بتا دی گئی ھے ۔ ملاحظہ ھو ،

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ و یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ و یقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذابا مھینا ۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ھیں اور چاھتے ھیں کہ اللہ

اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو تو مانیں گے اور بعض کا انکار کرینگے اور یہ چاہتے ہیں کہ بیچ کا راستہ اختیار کریں تو سن لو وہی لوگ اصل میں کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

بادی النظر میں ذہن اس طرف جا سکتا ہے کہ جو لوگ بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے وہ ان لوگوں سے تو بہتر ہیں جو کسی کو نہیں مانتے ۔ لیکن قرآن کہتا ہے نہیں ان کے کافر ہونے میں ذرا بھی تامل نہ کرنا چاہئیے حقیقت میں یہی لوگ کافر ہیں ۔ جو لوگ کسی کو بھی نہیں مانتے ان کے بارے میں تو قرآن صرف اسی قدر کہتا ہے کہ وہ کافر ہیں ۔ لیکن بعض کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے والوں کے بارے میں وہ زیادہ سختی کے ساتھ کافر ہونے کا اعلان کرتا ہے ۔ جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ " اولئک ھم الکافرون " کے اسلوب بیان کی شدت اور بلاغت کو سمجھ سکتے ہیں ۔ اور اس پر " حقا " کے تاکیدی کلمہ کا اضافہ کر کے بات کو اور بھی مستحکم کر دیا گیا ہے ۔ ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ اس معاملے میں قرآن کا رویہ سخت ہے ۔ لیکن غور کریں تو سمجھ میں آتا ہے کہ بات سخت اور نرم کی نہیں بلکہ حق اور ناحق کی ہے ۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ کفر جس خرابی کا نام ہے وہ ایسے لوگوں میں زیادہ ہے ۔ اس لئے ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ بالکل درست ہے ۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب میں انسان کی سماجی زندگی کے اس مسئلے کی طرف آتا ہوں جس کو عدل کہتے ہیں اور معلوم کرتا ہوں کہ قرآن اس کے بارے میں کیا کہتا ہے ۔ جہاں تک اس کے قابل قبول اور ناقابل قبول ہونے کا تعلق ہے تو اس کا حال بھی ان عالمگیر آفاقی صداقتوں کی طرح ہے جن کا اقرار باللسان کرنے والے تو بہت ہوں گے لیکن تصدیق بالقلب اور عملدرآمد کرنے والے خال خال ہی نکلیں گے ۔ ایسی عامۃ الورود مسلمہ آفاقی صداقتیں جن کے بارے میں پوری دنیا میں شاید ایک بھی ذی ہوش انسان ایسا نہ ملے جو اختلاف رکھتا ہو ، عملاً کتنے فیصد انسان ہیں جنہوں نے ان صداقتوں کو شرف قبول بخشا ہو ۔ سچ بولنا اور جھوٹ سے اجتناب کرنا اسی طرح کی ایک بات ہے ۔ آج اگر بذریعہ ووٹ ساری دنیا سے رائے لی جائے تو صد فیصد ووٹ اسکے حق میں ڈالے جائیں گے ۔ لیکن اس

کو دل سے قبول کر کے ماننے والوں اور اس پر عملدرآمد کرنے والوں کا اوسط دو چار فیصد نکل آئے تو غنیمت سمجھا جائے گا ۔ آج دنیا نے عددی اکثریت کو حق وباطل کا فیصلہ کن معیار قرار دے لیا ہے ۔ لیکن قرآن کا معیار اس سے بالکل مختلف ہے ۔ اسکے نزدیک حق وہ ہے جس کی سند حق تعالی خدائے ذوالجلال سے ملتی ہو ۔ عدل قرآن مجید کی ان تعلیمات میں سے ایک ہے جن کا تاکید و تکرار کے ساتھ حکم دیا گیا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کر کے اس کے خدو خال اس طرح متعین کر دیئے گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہوائے نفس سے مغلوب ہو کر عمداً چشم پوشی نہ کرے تو اس کا راستہ آئینے کی طرح صاف اور کہکشاں کی طرح روشن ہے ۔

قرآن نے کہیں پر عدل کی تعریف یا اس کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان نہیں کیا ۔ اس لئے کہ یہ ایک کائناتی صداقت ہے اور اسکی پہچان خود انسانی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے ۔ اسے ہر شخص آپ سے آپ جانتا اور پہچانتا ہے ۔ ایک جاہل بھی اس کو اسی طرح سمجھتا ہے جس طرح ایک عالم سمجھتا ہے ۔ اس لئے قرآن نے اس کا اہتمام نہیں کیا کہ اس کی توضیح و تشریح کرے ۔ البتہ چونکہ بشری کمزوریوں اور دنیوی زندگی کی مادی آلائشوں کی وجہ سے انسان کی بصیرت پر پردہ پڑ جاتا ہے اور اسکی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی۔ اس لئے بطور یاد دہانی کے کبھی تو محض حکم دے کر اور کبھی کسی کمزوری کی طرف اشارہ کر کے وہ متنبہ اور ہوشیار کر دیتا ہے ۔

یوں تو قرآن میں ایسی متعدد آیات ہیں جن میں عدل کا حکم دیا گیا ہے ، لیکن ان سب کا ذکر یہاں باعث تطویل ہو گا ۔ اس لئے میں ان میں سے چند وہ آیتیں پیش کرنے پر اکتفا کرونگا جو زیادہ جامع ہیں اور عنوان بحث سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں ۔ سب سے پہلے سورہ نحل کی ایک آیت ملاحظہ ہو جس میں کچھ اچھی باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ بری باتوں سے منع کیا گیا ہے ۔ لیکن ان اوامر و نواہی میں سب سے پہلے جس بات کا ذکر کیا گیا ہے وہ عدل ہی ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن انسان کی اجتماعی زندگی میں عدل کو کتنی زیادہ اہمیت دیتا ہے ۔ فرمایا ،

ان اللہ یا مر بالعدل والاحسان وایتای ذی القربی وینھی عن الفحشاء و المنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون (نحل ۔ ۹۰) ۔

ترجمہ :

بےشک اللہ حکم دیتا ھے عدل کا اور احسان کا اور قرابت دار کو کچھ دینے کا اور روکتا ھے بےحیائی سے اور برائی سے اور سرکشی سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ھے تاکہ تمہاری یاد گیری ھو۔

اس آیت میں جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ھے ان میں احسان اور رشتہ داروں سے سلوک جیسی نیکیاں بھی شامل ھیں لیکن عدل کو ان پر مقدم رکھکر یہ جتا دیا گیا ھے کہ اجتماعی زندگی کا یہ پہلا ستون ھے۔ اسی لئے ایک حدیث میں آتا ھے کہ کفر وشرک کے ساتھ تو ایک نظام چل سکتا ھے لیکن جب کسی معاشرے سے عدل اٹھ جائے تو وہ معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔

سورۂ نحل کی اس آیت میں عدل کا صرف حکم دینے پر اکتفا کیا گیا ھے۔ حکم ایک عام حاکم یا بادشاہ کا بھی واجب التعمیل ھوتا ھے۔اور اس حکم کی خلاف ورزی کیا معنی رکھتی ھے بتانے کی حاجت نہیں۔ پھر اللہ تعالی جو سب حاکموں کا حاکم اور سب بادشاھوں کا بادشاہ ھے اس کا حکم ھم انسانوں کے لئے جو اسکی مخلوق رعیت اور بندے ھیں ، کیا معنی رکھتا ھے ، اور اس حکم کی خلاف ورزی کا کیا نتیجہ ھو سکتا ھے ، ایک معمولی عقل و فہم رکھنے والا انسان بھی اسے بخوبی سمجھ سکتا ھے۔

قرآن کتاب ھدایت ھی نہیں کتاب حکمت بھی ھے۔ اس لئے وہ جہاں کسی بات کا حکم دیتا ھے وھاں اسکی غرض وغایت اور حکمت و مصلحت کی بھی نشاندھی کر دیتا ھے تاکہ طبائع اسکی طرف علی علمٍ و بصیرۃٍ راغب ھوں اور لوگ اسے دل سے قبول کر کے مانیں اور اس پر عمل کریں۔ بےلاگ عدل کے تقاضوں سے انحراف عموماً دو وجہوں سے ھوتا ھے۔ دوستی اور محبت یا دشمنی اور نفرت۔ دوستی اور محبت میں سب سے پہلے انسان کی اپنی ذات بیچ میں حائل ھوتی ھے اسکے بعد اعزہ اور اقربا ھیں۔ اقربا میں بھی سب سے زیادہ والدین کی محبت عدل کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ھے۔ خلّاق فطرت سے زیادہ انسان کی ان بشری کمزوریوں سے کون واقف ھو سکتا ھے۔ سورہ نساء کی آیت ۱۳۵ میں عدل کا حکم دینے کے ساتھ فطرت انسانی کی ان کمزوریوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جو عدل کی راہ میں حائل ھوتی ھیں۔اور ان رخنوں کی نشاندھی کرنے کے بعد خلاف ورزی کرنے کی

صورت میں نتائج سے بھی خبردار کر دیا گیا ۔ فرمایا ،

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوٰی ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعلمون خبیرا

ترجمہ :

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار رہو ۔ اللہ کے لئے گواھی دینے والے بنو اگرچہ اپنی ذات یا والدین یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف ھی کیوں نہ ھو ان میں سے کوئی دولت مند ھے یا غریب بہتر ھے کہ ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو تو خواھش نفس کی پیروی میں عدل کو ھاتھ سے نہ دو ۔ اور اگر تم روگردانی کرو گے یا انحراف کرو گے تو سن لو کہ جو کچھ تم کرتے ھو اللہ اس سے باخبر ھے ۔

سورہ نساء کا تعلق اسلام کے مدنی دور سے ھے ۔ اور یہ بات معلوم ھے کہ مدینہ آ کر آنحضرت ﷺ نے قرآنی تعلیمات کے مطابق اسلامی معاشرہ ھی نہیں اسلامی ریاست کی باقاعدہ داغ بیل ڈالی ۔ اسی لئے اس آیت میں محض عدل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ عدل کے قوام اور اللہ کے نقیب بنو ۔ یعنی عدل کو انفرادی زندگی سے آ گے اپنی اجتماعی و قومی بلکہ بین الاقوامی زندگی میں نافذ اور قائم کرو ۔ اس کے بعد ان رخنوں کا ذکر کر دیا گیا ھے جہاں سے عدل کے حصار کو نقصان پہنچ سکتا ھے ۔ خود اپنی ذات کے خلاف والدین یا اقربا کے خلاف حق وانصاف کا راستہ اختیار کرنا آسان کام نہیں ۔ لیکن عدل کا مثالی تصور یہی ھے کہ اس میں کسی کی رو رعایت نہ ھو حتی کہ اپنی ذات اور عزیز ترین رشتے یعنی والدین کا بھی لحاظ نہ ھو ۔ اسی پاسداری کا نام ھوائے نفس ھے جس سے بالاتر ھو کر عدل قائم کرنے کا حکم دیا گیا ھے ۔ فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا ۔ یعنی خواھش نفس کی پیروی میں عدل کا خون نہ کرو ۔ یہ فقرہ تاکید مزید کے لئے اور فتنے کا سد باب کرنے کے لئے دھرایا گیا ۔ اسکے بعد اس حکم سے رو گردانی کرنے کی صورت میں انجام سے خبردار کیا گیا ۔

قرآن مجید کی صرف یہی ایک آیت عدل کے باب میں عقل کل اور حرف آخر کا درجہ رکھتی ھے ۔ قرآن کی اساسی تعلیمات کے پس منظر میں اگر صرف اسی ایک آیت کو اچھی طرح سمجھ کر دل نشین کر لیا جائے تو حصول

مدعا کے لئے کافی ہے ۔ لیکن چونکہ انسان فطرۃً بھولنے والا اور غفلت میں پڑنے والا ہے اس لئے قرآن یاد دھانی کے لئے مختلف پیرایوں سے اپنی بات ہیر پھیر کر بیان کرتا ہے ۔ اسی کو قرآن کی اصطلاح میں " تصریف آیات " کہتے ہیں ۔

جس طرح دوستی اور محبت عدل کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنتی ہے اسی طرح دشمنی اور نفرت بھی اس راہ کا سنگ گراں ہے ۔ یہ صورت حال انفرادی طور پر بھی پیش آ سکتی ہے اور اجتماعی طور پر بھی ۔ قرآن جس مثالی عدل کا علمبردار ہے اسکے لئے وہ انفرادی ہی نہیں اجتماعی سطح پر بھی ہر حال میں عدل کا بول بالا کرنے کی ہدایت کرتا ہے ۔ سورہ نساء کی مذکورۃ الصدر آیت میں جس طرح اقامت عدل اور شہادت حق کا حکم دے کر کسی کی محبت میں عدل کا خون کرنے سے منع کیا گیا ہے سورہ مائدہ کی درج ذیل آیت میں حق و انصاف کا پرچم بلند کرنے کا اجتماعی فریضہ تفویض کر کے کسی کی دشمنی میں عدل کا خون کرنے سے روکا گیا ہے :

یأیہا الذین آمنوا کونوا قوامین ﷲ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ألا تعدلوا اعدلوا ہواقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ۔
ترجمہ :

اے وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہو اللہ کا پرچم بلند کرنے والے ہو جاؤ انصاف کا بول بالا کرنے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل کے راستے سے انحراف کرو ۔ عدل کرو کہ وہ تقوی کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بےشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے آگاہ ہے ۔

نساء کی طرح مائدہ بھی مدنی سورہ ہے اور ان دونوں سورتوں میں مذکور عدل سے متعلق دونوں آیتوں میں کتنی گہری مماثلت ہے اور دونوں آیتیں ایک دوسرے کی کس طرح تائید توضیح و تکمیل کرتی ہیں اہل علم کی توجہ کے لائق ہے ۔ نساء میں " قوامین بالقسط ، شہداء ﷲ " ہے جبکہ مائدہ میں "قوامین ﷲ شہداء بالقسط " ہے ۔ الفاظ میں ایک نقطے کا فرق نہیں ہے لیکن ترکیب بدلی ہوئی ہے ۔ قسط کو اللہ کی جگہ اور اللہ کو قسط کی جگہ رکھ کر یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن کے نزدیک قسط یعنی عدل کو کیا اہمیت حاصل ہے ۔ اس فحوائے کلام میں گویا کہ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے متبادل ہیں یہاں یہ بات از خود زبان قلم پر آئے جارہی ہے کہ اللہ تعالی کے اسماء حسنی میں سے ایک عدل بھی ہے ۔

مائدہ کی اس آیت میں " اعدلوا ھو اقرب للتقوی " کا فقرہ بھی عدل کی ایک اسلامی خصوصیت کو واضح کرتا ھے ۔ اسلامی تعلیمات میں تقوی ملاک الحسنات اور دینی عبادات کی اول الغایات ھے ۔ روزہ فرض کیا گیا تو اس کا مقصد تقوی کو قرار دیا گیا ۔ یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (بقرہ ۔ ۱۸۳) ۔ قربانی کی مشروعیت سے بھی مقصود یہی تقوی ھے ۔ لن ینال اللہ لحومھا و لا دمائھا ولکن ینالہ التقوی منکم (حج ۔ ۳۸) ۔ اللہ کو قربانی کا گوشت پہنچتا ھے نہ اس کا خون جو چیز اسے پہنچتی ھے وہ تمہارا تقوی ھے ۔ اسلام میں تقوی اعمال کا مقصد بھی ھے اور نتیجہ بھی ۔ یہی تقوی ھے جسے یہاں عدل کی منزل قرار دیا گیا ھے ۔ فرمایا کہ عدل کرو کہ عدل تقوی سے قریب تر ھے ۔ اسکے بعد معاً فرمایا " واتقوا اللہ " یعنی اللہ سے ڈرو ، گویا عدل اور تقوی لازم و ملزوم ھیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو شخص صفت تقوی سے متصف ھو کر اللہ سے ڈرے گا وہ عدل اختیار کرے گا ۔ اور جو عدل اختیار کرے گا محال ھے کہ اللہ سے نہ ڈرے ۔

قرآن انصاف کے معنی میں عربی ھی کا ایک اور لفظ قسط بھی استعمال کرتا ھے ۔ میں یہاں ان آیات کا ذکر نہیں کرتا جن میں عدل کی بجائے قسط کے لفظ سے انصاف کا حکم دیا گیا ھے ۔ ان سب آیات کو جمع کیا جائے تو مضمون بہت طویل ھو جائے گا لیکن اس نکتے کو ذھن میں رکھنا اس لئے ضروری ھے کہ اس سے پتا چلتا ھے کہ قرآن عدل پر کتنا زور دیتا ھے ۔ انصاف کا لفظ قرآن میں نہیں آیا ھے ۔ عربی ھونے کے باوجود یہ فقط اردو میں مستعمل ھے ۔

قرآن کی سماجی تعلیم کا ایک ورق جس میں قرآن کے تصور عدل کا سبق دھرایا گیا ھے وہ آیات ھیں جن میں لین دین کے وقت ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا گیا ھے ۔ لین دین کے وہ معاملات جو ناپ تول کے ذریعے انجام پاتے ھیں عدل کے وہ محسوس مادی پیکر ھیں جن میں اسکی روح اس طرح جلوہ گر ھوتی ھے کہ ھر خاص و عام اس کا پہلی نظر میں مشاھدہ کر سکتا ھے اور ان معاملات میں عدل کا خون صرف وہ لوگ کرتے ھیں جن کی بصیرت و بصارت اندھی ھو چکی ھوتی ھے اور جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ھوتی ھے ۔ اس لئے قرآن کی نگاہ میں اس کی شناعت بھی زیادہ ھے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کی بہت ھی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ھے ۔ جن

معاشروں میں یہ برائی پائی جاتی ھے اسکے افراد عموماً اس کو زیادہ اھمیت نہیں دیتے اور معمولی درجے کا جرم سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ھیں ۔ لیکن قرآن کی تعلیمات کے مطالعہ سے معلوم ھوتا ھے کہ وہ اس برائی کو حد درجہ سنگین اور گھناؤنا سمجھتا ھے ۔ حد یہ کہ اس مضمون کی ایک سورہ قرآن میں رکھی گئی اور اس کا نام ھی اس جرم کے اوپر رکھا گیا ۔ سورہ "مطففین" کی ابتدائی آیات میں اس برائی کی کتنی سچی تصویر ھے ۔

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون ۔ الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم ۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین ۔ (مطففین ۔ ۱ ۔ ٦)

ترجمہ :

خرابی ھے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جن کا حال یہ ھے کہ جب وہ لوگوں سے ناپ تول کر کچھ لیتے ھیں تو پورا پورا لیتے ھیں لیکن جب انھیں ناپ تول کر کچھ دیتے ھیں تو کمی کرتے ھیں کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ انھیں اٹھایا جائے گا ۔ ایک بڑے دن کے لئے ، جس دن کہ لوگ جہانوں کے پروردگار کے لئے کھڑے ھوں گے ۔

قرآن جس زمانے میں نازل ھوا تہذیب و تمدن کے لحاظ سے پسماندگی کا زمانہ تھا ۔ آج کی نسبت معاشرہ کہیں سادہ تھا اس لئے جرائم بھی نسبۃً سادہ تھے ۔ لیتے پورا تھے دیتے کم تھے مگر آج کل پورا لینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ زیادہ لیتے ھیں اور کم دیتے ھیں ۔ باٹ اور ترازو میں فرق کے علاوہ ڈنڈی مارنے کا فن ممکن ھے اس زمانے میں بھی رھا ھو لیکن سیر کا سوا سیر لینے کا سراغ اس زمانے میں نہیں ملتا جبکہ اس زمانے میں اس کا باقاعدہ رواج ھے ۔ اس سورہ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے "ویل" کا لفظ استعمال کیا گیا ۔ یہ ایک بد دعا کا کلمہ ھے جو قرآن صرف ان جگھوں پر استعمال کرتا ھے جہاں لعنت اور پھٹکار کا اظہار مقصود ھوتا ھے ۔ اور آخر میں قیامت کے دن کا ذکر کر کے یہ جتا دیا گیا کہ اس کی پکڑ ھو گی اور یہ ایسا گناہ نہیں کہ اسے معاف یا نظر انداز کر دیا جائے ۔ ناپ تول میں کمی کرنے کا گناہ ان گناھوں میں سے ھے جن کے بارے میں قرآن نے تصریف کا طریقہ اختیار کیا ھے اور بار بار توجہ دلائی ھے ۔ بعض آیتوں میں اس عمل کو زمین میں فساد مچانے سے تعبیر کیا گیا ھے ۔

قرآن کی سماجی تعلیم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ ماضی کی ایسی اقـوام کے قصے بیـان کر کے دنیا والوں کو متنبہ کرتا ہے جو کسی ایک برائی میں ممتاز تھیں اور اسکی وجہ سے انھیں ہلاک کر دیا گیا ۔ حضرت شعیب کی قوم مدین کو اس لئے ہلاک کیا گیا کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے اور یہ برائی ان میں اس حد تک جڑ پکڑ گئی تھی کہ ایک نبی کے نصیحت کرنے اور ڈرانے پر بھی وہ باز نہ آئے اور بالآخـر انھیں اس جرم کی پاداش میں تباہ کر دیا گیا ۔ اصحاب مدین کی ہلاکت اور تباہی کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے ۔ سب سے زیادہ تفصیل سورہ ہود میں بیان ہوئی ہے ۔ آیت ۸۴ تا ۹۵ پورے دو صفحـوں میں یہ قصہ بیان ہـوا ہے ۔ میں یہاں شروع اور آخر کی دو دو آیتیں نقل کرتا ہوں ۔

و الی مدین اخا ہم شعیباً قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ولا تنقصوا المکیال والمیزان انی اراکم بخیر و انی اخاف عـلیکم عذاب یوم محیط ۔ ویا قـوم او فوا المکیال والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاء ہم ولا تعثوا فی الارض مفسدین . . . . واخذت الذین ظلمـوا الصیحۃ فاصبحوا فی دیارہـم جاثمین ۔ کان لم یغنوا فیہا الا بعداً لمدین کما بعدت ثمود ۔

ترجمہ :

اور ہم نے بھیجا مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو ، اس نے کہا اے میری قوم پرستش کرو اللہ کی ، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ، اور ناپ تول میں کمی نہ کرو ، مجھے تمہاری بھلائی منظور ہے ، اور مجھے ڈر ہے کہ تمہارے اوپر گھیرنے والے دن کا عذاب نہ آ جائے ۔ اور اے میری قوم ناپ اور وزن کو پورا کرو انصاف کے سـاتھ ، اور لوگوں کی چیزیں ظلم سے نہ لو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو . . . . اور جن لوگوں نے ظلم کیا انھیں چیخ نے آلیا ، اور وہ اپنے گھروں میں سینے کے بل زمین سے الگ گئے ۔ جیسے وہ ان گھروں میں تھے ہی نہیں ۔ آگاہ مدین کے لئے ہلاکـت ، جس طرح ثمود ہلاک ہوئے ۔

اس آیت میں امر ونہی ، انذار و تذکیر ، ہر طریقے سے اس برائی کو ختم کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔ اس میں خاص توجہ کی بات یہ ہے کہ اہل مدین کی ہلاکت و تباہی کا بڑا سبب ان کی یہی برائی تھی ۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ برائی جسے عام طور پر معمولی خیال کیا جاتا ہے اگر کسی معاشرے میں عام ہو جائے تو اس معاشرے پر من حیث القوم عذاب آتا ہے اور وہ معاشرہ

ھلاک و برباد کر دیا جاتا ھے ۔ یہاں یہ فرق بھی لائق توجـہ ھے کہ قرآن نے جہاں صرف عدل اور قسط کا حکم دیا ھے وھاں انذار و تنبیہ کے تمام ذرائع سے کام لینے کے باوجود اس دنیا میں عذاب الہی ھلاکت اور تباھی کی وعید نہیں سنائی جبکہ عدل کے اس خاص معاملہ میں حکم خداوندی کی خلاف ورزی پر اسی طرح انجام بد سے خبردار کیا گیا ھے جس طرح ام الکبائر کے ارتکاب پر خبردار کیا گیا ھے ۔ اس کی وجہ بالکل ظاھر ھے ۔ ناپ تول میں کمی ان منکرات میں سے ھے جن کے لئے کوئی عذر تلاش نہیں کیا جا سکتا اور اس کے مـرتکب افـراد یا اقوام سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی اس لئے ان کو عضو فاسد کی طرح ناقابل اصلاح قرار دے کر تباہ و برباد کر دینا ھی قرین مصلحت ھوتا ھے ۔

عدل ایک ایسا عمل ھے جو انسانی معاشرے کی اجتماعی ضرورت ھے اور یہ ایک ایسا احساس ھے جو ھر فرد بشر کے وجدان میں موجود ھے ۔ مستزاد یہ کہ خود خدا اپنی کتاب میں اس کا حکم دے کر اسکی اھمیت کو دلوں میں راسخ کرتا ھے ۔ لیکن اس کے بعد بھی امر واقعہ یہ ھے کہ جس کو عدل کہتے ھیں وہ اس عالم کا عنقا ھے ۔ فرد ھو یا جماعت ، ایک حـکومت ھـو یا ایک شہری عدل کے اس تصور کی کار فرمائی بہت کم نظر آتی ھے جس کی تلقین قرآن مجید کرتا ھے ۔ اس تصور کو تصدیق میں ڈھالنے کے لئے ضروری ھے کہ قرآن کے پیش کردہ عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات کو کل کا کل بیک وقت بغیر کسی رد و بدل ، کمی بیشی یا رنگ آمیزی کے پورے اخلاص و للہیت کے ساتھ اپنایا جائے ۔

* ___ *